

## بحث و نظر

## اسلام کا تصور عبادت

طاہر الطاف احمد اعظمی

جب ہم عبادت کے زاویہ نگاہ سے مسلمانوں کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ ہم کو تین نمایاں طبقوں میں منقسم دکھائی دیتے ہیں، ایک طبقہ عوام اور دوسرا طبقہ علماء اور تیسرا طبقہ مشائخ۔ طبقہ عوام میں ناخواندہ اور خواندہ دونوں ہی طرح کے مذہبی اور نیم مذہبی مسلمان شامل ہیں۔ ان کا تصور عبادت نہایت ہی محدود و مبہم اور ناقص ہے اور ان میں چند عبادات مثلاً نماز، روزہ اور حج تک محدود ہے۔ زکوٰۃ اس میں شامل نہیں ہے۔ وہ زبان سے اس کے جزو عبادت ہونے کے منکر تو نہیں لیکن اس باب میں ان کا جو طرز عمل ہے وہ صاف بتاتا ہے کہ وہ فی الواقع اسے جزو عبادت نہیں سمجھتے۔ عبادات ثلاثہ یعنی نماز، روزہ اور حج کے ساتھ اگر آپ چند ثانوی اعمال مثلاً قربانی، عمارت و قرآن مجید (ناظرہ) کو بھی شامل کر لیں تو ان کے تصور عبادت کی تصویر مکمل ہو جاتی ہے۔

عام مسلمان عبادت کے صرف ظاہری اشکال و احکام ہی کی پیروی کو اصل عبادت سمجھتے ہیں۔ وہ فی الواقع عبادت کی حقیقت اور ان کی غرض و غایت سے بالکل بے خبر ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ عبادت کا ایک انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے کیا ربط و تعلق ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ (مستثنیات سے قطع نظر) عبادت مفروضہ کی بجائے آدمی کے باوجود اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مختلف النوع اعمال و اشغال میں خدا کی اطاعت و فرماں برداری کو ضروری خیال نہیں کرتے اور شب و روز ایسے افعال کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں جو سراسر خدا کے حکم و ہدایت کے منافی ہوتے ہیں۔

جہاں تک طبقہ علماء کا تعلق ہے تو ایک محدود حلقہ کو چھوڑ کر، ان کا تصور عبادت بھی

عام مسلمانوں کے تصور عبادت سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ ان کے نزدیک بھی ظاہر جسم کی درستگی، چند عبادات بالخصوص، نماز اور روزہ کی ادائیگی اور چند معروف امور کی انجام دہی کا نام عبادت ہے۔ طبقہ مشائخ کا تصور عبادت یہ ہے کہ آدمی دنیا کے سہنگاموں سے الگ ہو کر کسی گوشہ مسجد یا خانہ خلوت میں بیٹھ کر ذکر و عبادت الہی میں اپنا وقت گزار دے۔ یہ خانقاہی تصور عبادت کہلاتا ہے۔

آئیے دیکھیں کہ اسلام کا صحیح تصور عبادت کیا ہے تاکہ ہم میں سے ہر شخص خواہ وہ کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو، اس کی روشنی میں اپنے تصور عبادت اور اس کے عملی اشکال و مظاہر کا جائزہ لے کر اس میں موجود نقائص کی اصلاح کر سکے۔

## عبادت کے لغوی معنی

عبادت کے عام لغوی معنی غایت درجہ عجز و تذلل کے ہیں۔ اسی لئے عربی زبان میں اس رائے کو جو آمد و رفت کی کثرت سے پامال ہو گیا ہو طریق معبد کہا جاتا ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی کی وضاحت کرتے ہوئے امام راغب لکھتے ہیں:

”عبودیت کے معنی اظہارِ فردوسی کے ہیں۔ اسی لئے اس کی مستحق صرف وہ ذات ہے جس کے افضال و عنایات بے پایاں ہیں۔ اسی لئے ارشاد ہے: اَلَا

تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ، صرف اسی کی عبادت کرو۔

قاضی شوکانی اپنی تفسیر میں اس لفظ کی شرعی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وَفِي الشَّرْعِ عِبَادَةُ عَمَّا

يَجْمَعُ كِمَالِ الْمَحَبَةِ وَ

الْحَضْوَعِ وَالْخَوْفِ لِهٖ

جاء بهو۔

لہ کشف (زمخشری) ج ۱ ص ۱۶ لہ روالح البیان تفسیر آیات الاحکام  
من القرآن ج ۲ ص ۲۷ (محمد علی المابونی) طبع دمشق لہ مفردات امام راغب لہ فتح القدر ج ۱  
ص ۱۱

مخدوم علی مہاشمی اپنی معروف تفسیر تبصیر الرحمن و تیسر المنان بعض مایثیر الی اعجاز القرآن میں لکھتے ہیں:

العبادة تذلل للغیرین  
اختیار لغایة تعظیمہ  
عبادت اپنے اختیار سے دوسرے  
کی غایت درجہ تعظیم کی غرض سے اس کے  
لئے اظہار فرودنی کا نام ہے۔

عبادت کے ایک دوسرے معنی اطاعت کے بھی ہیں بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کے اصل معنی اطاعت و فرما برداری ہی کے ہیں، عجز و تذلل اور پرستش اطاعت و انقیاد کے لازمی نتائج ہیں۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ آدمی کسی کا مطیع و فرما بردار ہو اور اس کے افعال اور حرکات و سکنات سے عجز و فرودنی کا اظہار نہ ہو۔ عربی کے دو معروف لغات، قاموس اور لسان العرب میں عبادت کے معنی اطاعت ہی کے لکھے ہیں۔ لسان العرب کے الفاظ ہیں: العبادة الطاعة۔ ومعنی العبادة فی اللغة، الطاعة مع الخضوع وکل من دان لملك فهو عابد له۔ والعابد، الخاضع لربہ المستسلم النقاد۔ لامرہ۔ عبد الطاغوت، اطاعہ یعنی الشیطان۔

## عبادت کے قرآنی معنی

قرآن مجید میں اس لفظ کے مختلف استعمالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے حقیقی معنی جیسا کہ لسان العرب میں مذکور ہے، اطاعت و فرما برداری کے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ آیا ہے:-

قُلْ اِنِّیْ نَهَیْتُ اَنْ اَعْبُدَ  
الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ  
اللّٰهِ لَمَّا جَاءَنِی الْبَیِّنَاتُ  
مِنْ رَبِّیْ زَاوَمْتُ اَنْ  
اَسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اے نبی! ان لوگوں سے کہہ دو کہ مجھ  
ان ہستیوں کی اطاعت و پرستش سے  
منع کر دیا گیا ہے جنہیں تم خدا کو چھوڑ  
کر پکارتے ہو (میں بھلائیہ کام کیسے کر  
سکتا ہوں) جب کہ میرے پاس واضح

علم و دلائل آپکے ہیں۔ اور مجھے تو یہی حکم  
دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے آگے  
سرا طاعت خم کر دوں۔

(رومن: ۶۶)

دوسری جگہ آیا ہے:

قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَاللَّهُ  
أَبَا نَسْرَةَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ  
وَإِسْحَاقَ إِبْنِي إِسْحَاقَ وَ  
نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ

انہوں نے (اولادِ یحییٰ) کہا کہ ہم تیرے  
معبود اور تیرے آباؤ اجداد۔ ابراہیم،  
اسماعیل اور اسحاق۔ کے معبود کی عطا  
پرستش کریں گے جو معبود واحد ہے اور  
ہم اسی کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔

(بقرہ: ۱۲۲)

مذکورہ دونوں آیتوں میں ”مُسْلِمُونَ“ اور ”مُسْلِمُونَ“ کے الفاظ دراصل ”عابد“ اور  
”نَعْبُدُ“ کی وضاحت کے لئے آئے ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ اسلام کے معنی اطاعت و  
فرماں برداری کے ہیں، اس لئے عبادت کے معنی بھی اطاعت و فرماں برداری کے ہوئے  
جس میں پرستش کا مفہوم بھی شامل ہے۔

ایک اور جگہ واضح طور پر اطاعت ہی کے معنی میں آیا ہے:

فَقَالُوا الْاٰنُؤْمِنُ لِبَشَرٍ  
مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا  
عِبَادُونَ (مومنون: ۲۷)

انہوں نے کہا، کیا ہم اپنے ہی جیسے دو  
آدمیوں پر ایمان لائیں حالانکہ ان کی قوم  
ہماری مطیع و فرماں بردار ہے۔

قرآن مجید میں بعض مقامات پر عبادت کے بالمقابل استکبار کا لفظ استعمال کیا گیا ہے  
مثلاً ایک جگہ آیا ہے: وَمَنْ يَسْتَبِكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِمْ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرْهُمْ  
اٰلِهَةً جَمِيْعًا (نساء: ۱۴۲) ”اور جو شخص ہماری اطاعت و بندگی کو اپنے لئے عار سمجھتا ہے  
اور استکبار کرتا ہے تو (ایک دن) وہ عنقریب سب کو اپنے پاس جمع کرے گا“ استکبار کے  
لفظی معنی کو خود قرآن مجید کی متعدد آیات میں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے مثلاً ایک جگہ آیا ہے:  
وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ اَلْمَدْبُوٰتِ وَهُمْ لَا

يَسْتَكْبِرُونَ (نمل - ۳۹) زمین اور آسمانوں کی تمام ذی حیات مخلوقات اور فرشتے سب اللہ کے آگے سر بسجود ہیں اور وہ استکبار نہیں کرتے، "دوسری جگہ آیا ہے حَمْدٌ وَسُجُودٌ وَسَبْحٌ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ (سجدہ - ۱۵) "وہ (اہل ایمان) سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔"

ان آیات قرآنی سے معلوم ہوا کہ استکبار کے معنی خدا کے بالقابل اپنی ہستی کو بڑی چیز سمجھنے اور اس کے سامنے سراطاعت جھکانے سے اعراض کرنے کے ہیں اس لئے لازماً عبادت کے معنی بھی خدا کے بالقابل اپنی ہستی کو حقیر یا چیز سمجھنے اور اس کے سامنے سراطاعت خم کرنے کے ہوئے۔ فی الواقع سراطاعت جھکانے سے گریز کرنا استکبار اور سراطاعت جھکا دینے ہی کا نام عبادت ہے۔

قرآن مجید میں عبادت کا لفظ عام اطاعت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے مثلاً ایک جگہ آیا ہے: يَا بَنِي آدَمَ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ (مریم: ۲۴) "اباجان، شیطان کی عبادت نہ کیجئے" دوسری جگہ آیا ہے: بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ (سبا - ۴۱) "بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے" ایک اور جگہ آیا ہے: وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا... (زمرہ: ۱۶) "اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے اجتناب کیا"

کون کہہ سکتا ہے کہ ان آیات مذکورہ میں شیطان، جن اور طاغوت کی عبادت کے معنی ان کی پرستش کے ہیں۔ معروف معنوں میں شیطان، جن اور طاغوت کی عبادت کوئی آدمی بھی نہیں کرتا، اس لئے ماننا ہوگا کہ ان آیات میں عبادت کے معنی اطاعت و بندگی ہی کے ہیں۔ لغات، مفسرین کی تشریحات اور قرآن مجید میں اس کے مختلف استعمالات سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ عبادت کے حقیقی معنی خدا کی اطاعت و بندگی کے ہیں ایسی اطاعت و بندگی جس میں غایت درجہ عجز و فروتنی اور خضوع و تذلل پایا جائے۔

## عبادت کا مفہوم

عبادت کے لغوی معنی متعین ہوجانے کے بعد اس کا مفہوم خود بخود متعین ہوجاتا ہے یعنی

خدا کی اطاعت و بندگی کرنا۔ لیکن اطاعت و بندگی کا مفہوم صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ آدمی تینے روز کے چند معین اوقات میں خدا کے سامنے سرنگوں ہو جائے، اور چند مقررہ اعمال و ریاضت عبادت بجالائے بلکہ اس کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع و جامع اور گہرا ہے۔ جب ایک آدمی خدا کے سامنے اپنا سر جھکاتا ہے تو وہ اپنے اس عمل کے ذریعہ جہاں استکبار کے بجائے عجز و تواضع کا اظہار کرتا ہے وہاں یہ بھی اقرار و اعلان کرتا ہے کہ خدا ہی اس کا حاکم و مالک ہے اور وہ ان کا مطیع و فرماں بردار ہے۔ اس واضح اقرار و اعلان کے بعد بھی اگر وہ معاملات زندگی میں خدا کے احکام کی تعمیل سے روگردانی کرتا ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس نے فی الواقع دل سے خدا کی حاکمیت اور فرماں روائی کو تسلیم ہی نہیں کیا ہے۔

یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی نوکر صبح و شام اپنے مالک کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رہے اور اس کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتا رہے، لیکن مالک کے کسی حکم و ہدایت کو بجا نہ لائے، بلکہ دن بھر ایسے کام کرے جو مالک کی مرضی اور نشتا کے بالکل منافی ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس کا مالک اس کی اس ظاہری اطاعت اور زبانی مدح سرائی سے اس کو ایک سچا، مخلص اور اطاعت شعار نوکر کبھی تسلیم نہ کرے گا، بلکہ اس کے برعکس اس کو منافق اور پرلے درجے کا عیار قرار دے گا، اور اس کی قصیدہ خوانی کو کیر تعلق اور مطلب برآری پر محمول کرے گا۔ اور اگر وہ برابر اسی منافقانہ طرز عمل کا مظاہرہ کرتا رہے گا تو مالک ایک دن اس کو جھوٹا مکار اور گندم نما جو فروش قرار دے کر نوکری سے نکال باہر کرے گا۔

فی الواقع حقیقی عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنے اعضاء و جوارح سے اظہار اطاعت کے ساتھ ہی جس کا دوسرا نام پرستش ہے، اپنے تمام اعمال زندگی سے بھی حتی الوسع خدا کی اطاعت کا ثبوت بہم پہنچانے اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچے۔ اس حقیقت کا اظہار قرآن مجید میں ایک دو جگہ نہیں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے، مثلاً ایک جگہ آیا ہے:

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ  
وَأَسْمِعُوا وَأَطِيعُوا

حسب استطاعت خدا سے ڈرو یعنی  
اس کی نافرمانی سے بچو اور بات کو سنو

دوسری جگہ آیا ہے:

اِنَّ عَبْدًا وَاللّٰهُ وَالْقُوَّةُ

(نوح: ۳)

یہ کہ اللہ کی اطاعت و بندگی کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔

ایک اور جگہ آیا ہے:

وَابْرَاهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ  
اعْبُدُوا اللّٰهَ وَالْقُوَّةُ

(عنکبوت: ۱۶)

اور ابراہیم نے جب اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اللہ کی اطاعت و بندگی کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔

یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ خدا کی اطاعت و بندگی کا مفہوم یہی ہے کہ بندہ اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچے اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کی اطاعت و فرماں برداری کرے۔ کسی بھی شعبہ زندگی میں خدا کی اطاعت سے انحراف کرنا دراصل شیطان کی اطاعت و اتباع کے مرادف ہے، ارشاد ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا  
فِي السَّلَامِ كَافَّةً وَلَا  
تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ  
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ

(لقبر: ۲۰۸)

اے ایمان والو! اسلام (اطاعت و بندگی) میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

## عبادت کا وسیع مفہوم

اسلام نے صرف یہی نہیں بتایا کہ عبادت کا مطلب خدا کی اطاعت و بندگی ہے، اور یہ کہ زندگی کے انفرادی اور اجتماعی شعبوں میں حتی المقدور اس کی اطاعت و فرماں برداری کی جائے، بلکہ یہ بھی بتایا کہ اطاعت و بندگی کی مستحقیت خدا لئے وعدہ لاشریک کی ذات سے، اس کے سوا اس کائنات فانی میں کوئی شے بھی ایسی نہیں ہے جو انسان کی اطاعت و بندگی کی سزاوار ہو حتیٰ کہ کوئی بڑے سے بڑا انسان بھی اطاعت و بندگی کے لائق نہیں ہے۔

اس واضح حقیقت کے باوجود اگر کوئی شخص خدا کے ساتھ کسی دوسری مخلوق، حتیٰ کہ کوئی بھی مستحقِ اطاعت اور سزا و سزا دہنگی سمجھتا ہے تو پھر خدا کی عبادت کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے ہیں اور اسی کا نام اصلاً قرآن میں شرک ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر عبادت کے ساتھ اخلاص دین کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ آیا ہے:

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ  
بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا  
لِّهُ الدِّينَ  
(زمر: ۲)

(اے محمد) یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف  
ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق اتاری ہے  
پس تم اللہ ہی کی اطاعت و بندگی کرو دین  
کو اسی کے لئے خالص رکھتے ہوئے۔

دوسری جگہ آیا ہے:-

وَاتَّقُوا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ  
مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ  
لَهُ الدِّينَ (اعراف، ۲۹)

ہر عبادت کے وقت اپنے رخ (یعنی  
توجہ) کو ٹھیک ٹھیک اسی طرف قائم رکھو اور  
دین کو اسی کیلئے خالص رکھتے ہوئے اسے پکارو۔

ایک اور جگہ آیا ہے:

وَمَا اُمْرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اللّٰهَ  
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّينَ  
(بنیہ: ۵)

اور ان کو بجز اس کے کوئی حکم نہیں دیا  
گیا تھا کہ وہ کسی دوسرے کو اللہ کی اطاعت و بندگی  
کریں دین کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے۔

ان آیات میں عبادت کے ساتھ اخلاص دین کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے حقیقی مفہوم کو متعین کرنے کے لئے اخلاص اور دین کے الفاظ کی لغوی تحقیق نہایت ہی ضروری ہے۔ اخلاص کے لفظی معنی کسی چیز کی آمیزش سے دوسری چیز کو چھانٹ کر الگ کر دینے کے ہیں۔ اخلاص کا مادہ فخلص ہے۔ فخلص المار من الكدر ”پانی کا میل کچیل سے پاک و صاف ہونا“ (منجد) اسی سے لفظ خالص بنا ہے جو اردو میں کثیر الاستعمال ہے۔ عربی میں ہذا ثوبٌ خالصٌ کے معنی ہیں ”یہ صاف رنگ کا کپڑا ہے“ یعنی اس میں کسی دوسرے رنگ کی آمیزش نہیں ہے۔



دین کے معنی لغت میں متعدد ہیں: مذہب، امت، عادت، جزا، قانون اور اطاعت وغیرہ چنانچہ کہتے ہیں: قوم دیناً "اطاعت گزار لوگ" (مخبر) اسی مفہوم میں لسان العرب میں ہے الدین - الطاعة - دنۃ و دنۃ لہ ای اطاعتہ - والدین للہ - انما هو طاعته و التبع لہ - فی الحدیث: ارید من قریش کلمۃ تَدین لہم بھا العرب، ای تطیعہم و تخضع لہم - ثم دانت لبعدا الرباب، ای ذلت لہ و اطاعتہ - یمرقون من الدین ای انہم یخرجون من طاعة الامام المفترض الطاعتہ المذین، العبد - فَلَوْلَا اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِيْنَ اِی غیر محلوکین -

قرآن مجید میں یہ لفظ چار معنوں میں استعمال ہوا ہے، مذہب کے معنی میں اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران - ۱۹) وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهًا لِلّٰهِ (نساء: ۱۲۵) جزا کے معنی میں وَمَا اَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ... (انفطار: ۱۷) قانون کے معنی میں مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاكَ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّا اَنْ يُّسْتَاْءَ اللّٰهُ (يوسف - ۷۶) وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهَمَّآ رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ (نور - ۲) اطاعت کے معنی میں: وَلَمْ يَأْتِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضَ وَلَا الدِّينَ وَاَصْبَا (نحل - ۵۲) اَفَغَيْرِ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْعُوْنَ وَ لَمْ يَسْئَلْكُمْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهٖ يُرْجَعُوْنَ (آل عمران - ۸۶) آپ مذکورہ بالا انوی اور قرآنی معانی کو پیش نظر رکھ کر اخلاص دین سے متعلق مجملہ آیات

پر غور کریں تو صاف معلوم ہوگا کہ ان آیات میں دین کے معنی اطاعت ہی کے ہیں لہذا اخلاص دین کے معنی ہوئے، اطاعت کو خدا کے لئے خاص کرنا یعنی خدا کی اطاعت کے ساتھ کسی دوسرے کی اطاعت و بندگی نہ کرنا۔ فی الواقع خدا کی اطاعت و بندگی کے ساتھ کسی دوسرے کو خواہ وہ کوئی فرد ہو یا کوئی جماعت یا کوئی اجتماعی ادارہ، حاکم و مطاع تسلیم کرنا اور اس کے ہر حکم کو حکم خدا کی طرح واجب الازعان سمجھنا اخلاص دین کے بالکل خلاف ہے۔ جو شخص بھی خدا اور غیر خدا اطاعت و بندگی کو ایک ساتھ جمع کرنا چاہتا ہے وہ درحقیقت شرک فی الربوبیت کا ارتکاب کرتا ہے۔ بانفاظ دیگر وہ خدا کے علاوہ بھی رب یا ارباب کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ اسے اطاعت و بندگی کا بھی مستحق سمجھتا ہے۔ اسی حقیقت کا اظہار قرآن مجید نے ان الفاظ میں کیا ہے:

اتَّخَذُوا أَهْبَارَهُمْ وَرَبَّهُمْ  
 أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ  
 وَالْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ ۚ وَمَا  
 أُمُورُهُمْ إِلَّا لِيُعْبَدُوا بِهَا  
 وَإِحْدَاهَا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ  
 سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ  
 (توبہ: ۲۱)

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء  
 اور مشائخ کو رب بنا لیا اور مریم کے  
 بیٹے مسیح کو بھی حالانکہ انھیں بجز اس کے  
 کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ الٰہ واحد،  
 اللہ کی اطاعت و بندگی کریں۔ فی الحقیقت  
 اس کے سوا کوئی الٰہ کہلانے کا مستحق نہیں  
 ہے۔ پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں کے  
 جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم شجوا ایک عیسائی تھے جب رسول اکرم کی  
 خدمت میں حاضر ہو کر دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے تو انھوں نے بعض دوسرے سوالات  
 کے علاوہ ایک سوال اسی آیت کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بھی کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول اس آیت  
 میں کہا گیا ہے کہ ہم عیسائی اپنے علماء و مشائخ کو خدا بنا لیتے ہیں، ایسا تو کوئی بھی نہیں کرتا، پھر  
 اس آیت کا مفہوم کیا ہے؟ آنحضرت نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے کہ جس کو تمہارے علماء و مشائخ  
 حرام کہہ دیتے ہیں تم لوگ اسے حرام تسلیم کر لیتے ہو، اور جس کو یہ حلال کہہ دیتے ہیں اس کو تم  
 بھی حلال مان لیتے ہو؟ انھوں نے کہا، ہاں ہم ایسا تو ضرور کرتے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا، بس  
 یہی ان کو رب بنا لینا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسانی زندگی کے لئے تشریح یعنی ضابطہ عمل بنانے کا اختیار  
 صرف خدائے علیم وخبیر کو حاصل ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا عالم دین اور شیخ طریقت  
 اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ اپنی فکر و رائے اور آزاد مرضی سے حرام و حلال، جائز و ناجائز اور  
 صحیح و غلط کی تعیین و تشریح کرے، اور اگر کوئی عالم دین اس کی جرأت کرتا ہے تو وہ فی الحقیقت  
 خود کو رب قرار دیتا ہے، اور جو لوگ ایسے علماء و مشائخ کا اتباع کرتے ہیں وہ بھی گویا انھیں رب  
 تسلیم کرتے ہیں، اور ایسا کر کے وہ خود کو دائرہ اسلام سے خارج کر لیتے ہیں۔  
 فی الواقع خدا کی اطاعت کے علاوہ کسی دوسرے کی اطاعت صرف اسی صورت میں جائز ہے

جب خود مطاع حقیقی یعنی خدا نے اس کی اطاعت کا حکم دیا ہو جیسا کہ قرآن مجید میں لیکھ آیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا  
اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ  
أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ  
فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ  
فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ  
(نساء - ۵۹)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی  
اور اس کے رسول کی، اور ان لوگوں کی  
بھی جو تم میں سے اولی الامر ہوں پھر اگر  
تمہارے درمیان (اولی الامر کی اطاعت میں)  
باہم کوئی اختلاف و نزاع واقع ہو جائے تو  
تلفیق کے لئے اسے اللہ اور اس کے

رسول کی طرف پھیر دو۔

اس آیت میں خدا نے اپنی اطاعت کے علاوہ مومنوں کو دو مزید اطاعتوں کا حکم دیا ہے، ایک رسول کی اطاعت اور دوسرے اولی الامر کی اطاعت، جہاں تک رسول کی اطاعت کا تعلق ہے تو وہ دراصل خدا ہی کی اطاعت کی ایک عملی صورت ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا جملہ خود صراحت کر رہا ہے کہ خدا کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت بھی ہر مسلمان پر واجب ہے۔ رہی آخر الذکر اطاعت یعنی اطاعت اولی الامر تو یہ اطاعت رسول کی طرح غیر مشروط طور پر واجب نہیں ہے جیسا کہ آیت مندرجہ صدر کے الفاظ "فان تنازعتم فی شئی" فردوہ الی اللہ والرسول" سے صاف ظاہر ہے بلکہ یہ اسی وقت تک واجب ہے جب تک کہ اولی الامر خدا و رسول کی اطاعت و پیروی کرتا ہے، خدا و رسول کی اطاعت و اتباع سے منحرف ہو جانے کے بعد اس کی اطاعت کسی مسلمان پر بھی واجب نہ ہوگی۔ یہی بات آنحضرتؐ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

السمع والطاعة علی المؤمن  
مسلمان پر اپنے اولی الامر کی بات سننا

لہ اولی الامر سے مراد صرف عمال حکومت نہیں ہیں، بلکہ اس کے مفہوم میں امت کے وہ تمام ارباب فکر و نظر شامل ہیں جو کسی بھی حیثیت سے مسلمانوں کے دینی، سیاسی، تمدنی، تعلیمی اور معاشرتی معاملات کے ذمہ دار ہوں۔

اور اس کو ماننا لازم ہے خواہ وہ بات  
اس کو پسند ہو یا ناپسند، بشرطیکہ اسے  
معصیت کا حکم نہ دیا جائے اور جب  
اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر نہ  
اس پر سنا ہی واجب ہے اور نہ ہی ماننا۔

المسلم في ما أحب  
وكره ما لم يوص  
بمعصية فاذا امر  
بمعصية فلا سمح ولا طاعة  
(بخاری و مسلم)

ایک دوسری حدیث ہے

معصیت میں کوئی اطاعت نہیں، اطاعت  
صرف معروف میں ہے۔

لا طاعة في معصية انما  
الطاعة في المعروف (بخاری و مسلم)

ان احادیث سے بالکل واضح ہو گیا کہ خدا کی اطاعت کے علاوہ کسی دوسرے کی  
اطاعت صرف معروف میں جائز ہے۔ کیونکہ معروف میں کسی آدمی کی اطاعت دراصل خدا  
ہی کی اطاعت کے ہم معنی ہے، لیکن منکر میں کسی آدمی کی اطاعت نہ صرف اخلاص دین  
کے منافی بلکہ خدا کی صریح نافرمانی کے مرتبہ ہے۔

اخلاص دین کا ایک دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ جو عمل اطاعت بھی انجام دیا جائے  
اس سے مقصود محض خدا کی رضا اور خوشنودی ہو۔ اس میں ذرہ برابر بھی ریا اور نمود کا کوئی  
عنصر شامل نہ ہو، کیونکہ جہاں خدا کی اطاعت کے ساتھ کسی دوسرے کی غیر مشروط اطاعت  
کرنا مخلصانہ عبادت کے منافی ہے وہاں اعمال اطاعت میں نمود و نمائش بھی غارت گراہوں  
عبادت ہے۔ اسی بات کو آنحضرت نے ان بلیغ الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے: انما الاعمال  
بالنیات (بخاری و مسلم) یعنی اگر کسی کام کے کرنے سے کوئی ذاتی غرض مثلاً حصول شہرت  
و عزت یا کوئی مادی منفعت پیش نظر ہے تو خواہ وہ کام بذات خود کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو عبادت  
کے زمرے میں شمار نہ ہو گا۔ لیکن اگر اس کام کے کرنے سے خدا کی رضامندی اور اس کا  
تقرب مطلوب ہے تو خواہ وہ کام بادی النظر میں بالکل حقیر دکھائی دیتا ہو بلکہ سراسر دنیا  
کا کام معلوم ہوتا ہو اس پر عبادت کا اطلاق ضرور ہو گا اور ذرا آخرت خدا کی نظر میں مستحق اجر  
و ثواب ہو گا۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت سعدؓ نے خدمت نبوی میں آکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، میں اپنی کل دولت راہ خدا میں خرچ کر دینا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا اے سعدؓ جو کچھ راہ خدا میں صرف اس کی خوشنودی کی طلب میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو ضرور ملے گا یہاں تک کہ جو رقم تم اپنی بیوی کے منہ میں اس غرض سے ڈالو گے اس کا بھی تم کو ثواب ملے گا۔

خدا کی خاص اطاعت و بندگی کے ساتھ شکر نعمت بھی ضروری ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا  
طَيِّبَاتٍ مَّا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا  
لِلَّهِ إِنَّ كُنْتُمْ بآيَاتِهِ تَعْبُدُونَ  
(بقرہ: ۱۷۱)

اے ایمان والو، جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو بخشی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم حقیقت میں اسی کی اطاعت و بندگی کرنے والے ہو۔

اس دنیا میں انسان کو جو نعمتیں بھی حاصل ہیں اور جن کا شمار مشکل ہے (وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا) (برائیم) وہ سب منعم حقیقی یعنی خدائے عظیم و رحیم کی عطا کردہ ہیں۔ جو شخص بھی خدا پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے آگے سر بسجود ہوتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ خدا ہی کو اپنا منعم حقیقی سمجھے، اسی ایک ذات کو ہر حمد و ستائش کا مستحق جانے اور اس کی بخشی ہوئی نعمتوں کو اسی کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ <sup>۱</sup> فی الواقع خدا کے علاوہ کسی دوسرے کو منعم و معطی سمجھنا اس کو شریک ربوبیت کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے:-

فَلَمَّا أَتَقَلَّتْ دَعْوَا اللَّهِ  
رَبِّهَا لِيْنِ اتَّيْتَنَا صَالِحًا

پھر جب وہ حاملہ ہو گئی تو دونوں (بزرگ) دشوہر نے مل کر اپنے رب حقیقی

۱۔ ادب المفرد امام بخاری (باب جو برفنی کل شی) ۱۷ شکر کے مفہوم میں یہی تین چیزیں داخل ہیں یعنی اعتراف نعمت، منعم کی تعریف و تعظیم اور نعمت کو منعم کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا۔

اللہ سے دعا کی کہ اگر تو نے ہم کو ایک نیک طینت اور تندرست بچہ دیا تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے۔ مگر جب اللہ نے ان کو ایک صحیح الاضواء اور نیک سرشت بچہ دے دیا تو وہ اس کی اس نعمت میں دوسروں کو اس کا شریک ٹھہرانے لگے۔ اللہ کی ذات بہت لیند و بالابے ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کئی بھی چیز کے خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں، جو نہ تو ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ ہی آپ اپنی مدد پر قادر ہیں۔

لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ  
فَلَمَّا أَتَاهُمْ ذَا صَاحِبًا  
جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ  
فِيمَا آتَاهُمَا ۖ فَتَعَالَى اللَّهُ  
عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ الشُّرَكَاءُ  
مَالًا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ  
يُخْلِقُونَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ  
لَهُمْ نَصْرًا وَلَا الْفُسْهُمُ  
يَنْصُرُونَ ۝

(اعراف ۱۸۹ تا ۱۹۲)

اخلاص اور شکر کی طرح توکل بھی عبادت کے وسیع مفہوم میں داخل ہے۔ قرآن

مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے :-

اور سارے معاملات اسی کی طرف  
لوٹائے جاتے ہیں، پس اے نبی تم اللہ  
کی اطاعت و بندگی کے جاؤ، اور اسی  
پر پورا بھروسہ رکھو، جو کچھ تم لوگ کر  
رہے ہو تیرا رب اس سے بے خبر نہیں ہے۔

وَاللَّهُ يَرْجِعُ الْأُمُورَ  
فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ  
وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا  
تَعْمَلُونَ ۝

(ہود: ۱۲۲)

یہ آیت بتاتی ہے کہ انسان کے سارے معاملات کا سررشتہ خدا ہی کے ہاتھ میں ہے اس لئے جو شخص خدا کے آستان پر جھک گیا اس کو ہر حال میں خدا ہی کی ذات پر اعتماد کرنا چاہئے، اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ہر نفع و نقصان کی مالک تنہا خدا ہی کی ذات واجب الوجود ہے۔ وہ اگر کسی کو نفع پہنچانا چاہے تو ساری دنیا مل کر بھی اس کو نقصان نہیں پہنچا

سکتی، اور اگر وہ کسی کو اس کے افعال بد کے نتیجے میں مبتلائے رنج و اذیت کر دے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کے کچھ کام نہیں آسکتی ہے۔ اسی بات کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:-

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ  
مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ  
فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا  
مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ وَإِنْ كَيْسَكَ  
اللَّهُ بِضُرِّكَ فَلَا كَاشِفَ  
لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُودِكَ بِخَيْرٍ  
فَلَرَّادٌ فَرَضِلُهُ يُصِيبُ  
بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ  
وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

تم اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکاردو  
جو تمہیں نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ  
نقصان، اگر تو ایسا کرے گا تو تیرا شمار  
ظالموں میں ہوگا۔ اگر اللہ تم کو (تمہارے  
افعال بد کے نتیجے میں) کسی دکھ میں مبتلا  
کر دے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس  
دکھ کو زائل کر سکے۔ اور اگر وہ تمہارے  
ساتھ کسی خیر کا ارادہ کرے تو اس کے  
فضل کو پھیر دینے والا بھی کوئی نہیں  
وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا  
ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے، اور  
وہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے

یونس: ۱۰۶، ۱۰۷

والا ہے۔

جب حقیقت نفس الامر یہ ہے تو پھر خدا کے سوا کون ذات ہو سکتی ہے جس پر ایک انسان کامل اعتماد و توکل کر سکے؟ جو شخص خدا کی عبادت کرتا ہے لیکن معاملات زندگی میں اس کی ذات پر کامل بھروسہ نہیں کرتا، بلکہ مادی اسباب و وسائل اور اپنی ہی جیسی مخلوق و فانی ہستیوں پر تکیہ کرتا ہے تو ایسے شخص کی عبادت بے معنی و بے مقصد ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی مادی اسباب و وسائل سے صرف نظر کر کے صرف خدا پر توکل کئے بٹھارے، توکل کا یہ مفہوم درست نہیں، توکل کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ انسان اس جہان اسباب میں مادی اسباب و وسائل کو بروئے کار تو لائے لیکن ان پر بھروسہ نہ

کرے یعنی جدوجہد کے نتیجے کو ان اسباب ووسائل کے تابع نہ سمجھے، بلکہ اس قادر مطلق خدا پر بھروسہ کرے جو تنہا نتائج افعال پر قادر ہے، اور ساتھ ہی اسباب مادی کا خالق بھی۔ قرآن مجید نے اس اہم حقیقت کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے:

فَاذْءَعَزَمْتُ فَتَوَكَّلْ  
عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ  
الْمُتَوَكِّلِينَ ۝ أَنْ يَنْصُرُ  
كُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ  
وَإِنْ يَخُذْ لَكُمْ فَمَنْ ذَا  
الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ  
وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ  
الْمُؤْمِنُونَ

پس جب تم ذباہم صلاح و مشورہ کے بعد کسی بات کا پختہ ارادہ کرو تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو ہی لوگ محبوب ہیں جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اگر اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں ہو سکتا، اور اگر وہ تمہیں بے مدد چھوڑ دے تو پھر اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

(ال عمران: ۱۵۹، ۱۶۰)

بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسباب و نتائج افعال پر فیصلہ کن اثر رکھتے ہیں، لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ ایک عام تجربہ و مشاہدہ ہے کہ بسا اوقات تمام ممکنہ مادی اسباب ووسائل کی فراہمی کے باوجود نتائج محنت خلاف توقع نکلتے ہیں۔ یہ اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ نتائج، اسباب مادی کے تابع نہیں، بلکہ اس مافوق الاسباب ہستی مطلق کے تابع ہیں جس کو مذہب کی زبان میں اللہ کہا جاتا ہے۔ اس واضح حقیقت پر اس ہستی مطلق نے اسباب کے دبیر و رنگین محجبات، صرف اس لئے ڈال دیئے ہیں تاکہ انسان کی فکر و نظر اور اور اس کے جذبہ جستجو کا امتحان ہو سکے، اور دیکھا جاسکے کہ کون اسباب کا بندہ بنتا ہے اور کون اس معبود حقیقی کا جو اسباب کے پس پردہ عالم کون و مکان پر حاکم و متصرف ہے۔

## اسلامی عبادات کی حقیقت و غایت

خدا کی اطاعت و فرما برداری کی راہ میں یوں تو ایک انسان کو بہت سی رکاوٹیں



پیش آتی ہیں، لیکن سب سے بڑی رکاوٹ خود اس کا نفس اور اس کی تسلون خواہشات ہیں یہ خواہشات بڑی سرکش اور منہ زور واقع ہوئی ہیں اور ان میں تسخیر و انجذاب کی صلاحیت بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ اگر انسان ہمہ وقت بیدار اور ہوشیار نہ رہے اور ان بے عنان خواہشات کو مغلوب کر کے نہ رکھے تو یہ نہایت ہی آسانی کے ساتھ قلب و دماغ پر اپنا غلبہ و تسلط حاصلیتی ہیں، اور اس کا نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان خدائے واحد کی اطاعت و بندگی چھوڑ کر خواہشات نفس ہی کی اطاعت و پرستش میں ہمہ تن مصروف ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهًا  
هُوَ لَهُ

کیا کبھی تم نے اس شخص کے بارے  
میں سوچا ہے جس نے اپنی خواہشات  
نفس کو اپنا معبود بنا لیا۔

(جاثیہ ۲۳)

شریعت اسلامی میں جو چار عبادتیں فرض کی گئی ہیں تو ان کی سب سے بڑی غرض یہی ہے کہ مومن اپنی خواہشات پر قابو پالے اور خواہشات کی اتباع کے بجائے خدائے واحد کی اطاعت و فرماں برداری میں لگ جائے اور کسی حال میں بھی اس کے احکام سے روگردانی نہ کرے۔ قرآن کی اصطلاح میں اسی کا نام تقویٰ ہے۔ قرآن مجید میں جہاں علیحدہ علیحدہ عبادات کا ذکر آیا ہے وہاں اس حقیقت کو نمایاں طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ مثلاً نماز کے ذکر میں ایک جگہ آیا ہے:

فَخَلَفَ مِنْ آخُدِ هُمْ خَلْفًا  
أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا  
الشَّهَوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ  
عَذَابًا

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے  
جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات  
نفس کی پیروی کی، ایسے لوگ بہت  
جلد اس طرز عمل کے نتائج بد دیکھیں گے

(مریم: ۵۹)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ترک نماز کا لازمی نتیجہ اتباع شہوات ہے، اور اسی سے یہ حقیقت بھی معلوم ہوئی کہ اقامت صلوٰۃ کا ایک بڑا مقصد انسان کو خواہشات نفس کی اتباع و تقلید سے روکنا ہے۔ اسی بات کو ایک دوسری جگہ یوں بیان کیا گیا ہے:

بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ  
الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (عَنْكَبُوت: ۵)  
زکوٰۃ کے ذکر میں آیا ہے:

عذاب جہنم سے اس شخص کو دور رکھا جائے گا جو خدا ترس ہے۔ جو اپنا مال محض تزکیہ (نفس) کی غرض سے بچتا ہے۔  
(مذہب کو) دیتا ہے۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي  
يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝

(میل: ۱۸)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایسا زکوٰۃ کا مقصد خدا کی رضا اور خوشنودی کے ساتھ ساتھ نفس کا تزکیہ بھی ہے یعنی اس کو بخل و حرص کی گندگی سے پاک و صاف کرنا۔ اسی کو قرآن میں ایک جگہ ”شرح نفس“ قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہے:

اور جو شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا  
(یعنی بے دریغ راہ خدا میں خرچ کرتا  
رہا) تو ایسے ہی لوگ (دنیا اور آخرت  
دونوں میں) فلاح پانے والے ہیں۔

وَمَنْ يُؤْتِ شَرَّ نَفْسِهِ  
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

(تغابن: ۱۶)

روزہ کے ذکر میں آیا ہے:

اے ایمان والو! تم لوگوں پر روزہ  
اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح  
تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیا گیا  
تھا تاکہ تم (اتباع شہوات اور خدا کی  
نافرمانی سے) بچ سکو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ  
عَلَيْكُمْ الصِّيَامُ كَمَا  
كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ  
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

(بقرہ: ۱۸۳)

حج کے ذکر میں آیا ہے

اللہ کے پاس نہان کا گوشت پہنچنا  
ہے اور نہ ان کا خون، بلکہ اس کے

لَكُنْ يَنَالُ اللَّهُ لِحُومِهَا وَلَا  
دِمَآؤِهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ

التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ (رج ۳۷) پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

ان تمام مذکورہ بالا آیات سے واضح ہو گیا کہ عبادات یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کی اصل غرض و غایت تقویٰ ہے یعنی خدا کے امر و نہی کی فرماں برداری اور خواہشات نفس کی اطاعت و اتباع سے اجتناب کرنا۔ آخر الذکر دو عبادتیں یعنی روزہ اور حج تو مکمل طور پر خواہشات نفسانی کے غلبہ و قہر مانی کے خلاف اعلان جنگ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن یہ جنگ اسی وقت کامیابی کی منزل سے ہمکنار ہو سکتی ہے جب مومن اس جنگ کے وسائل و ذرائع یعنی اشکال و اعمال عبادت ہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ اس کے مقصود و مطلوب یعنی تزکیہ نفس پر بھی برآن نظر رکھے۔ نماز کے ذکر میں ایک جگہ قرآن مجید میں اس اہم حقیقت کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا گیا ہے۔

فَدَأْفَلِمَا التَّمَوِّمُونَ الَّذِينَ  
فَلَاحِ پائی ان ایمان لانے والوں نے  
هَمُّنِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ  
جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں

(مومنون: ۲)

اس آیت میں انہی مومنوں کو کامیاب و بامراد قرار دیا ہے جو اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع کی کیفیات پیدا کرتے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ خشوع و خضوع کا تعلق انسان کے قلب سے ہے جو تمام احساسات و جذبات، عواطف و میلانات اور عزم اور ارادوں کا مصدر و منبع ہے۔

## غریب و مساکین کی امداد ایک بڑی عبادت ہے

اسلام، عبادت کا جو تصور دیتا ہے اس میں خدا کی کامل اطاعت و بندگی کے ساتھ غریب و مساکین کی امداد و اعانت کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دنیا کے ہر مذہب میں غریبوں اور ناداروں کی امداد اور محتاجوں کی حاجت روائی کو کار خیر قرار دیا گیا ہے، لیکن دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسلام کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ اس نے غریب و مساکین کی دست گیری کو محض کار خیر ہی نہیں بتایا بلکہ اسے اپنے نظام عبادت کا ایک اہم رکن بھی قرار دیا ہے۔ اس رکن کا نام زکوٰۃ ہے۔

عبادت کے ارکان اربعہ میں روزہ اور حج کا ذکر تو قرآن مجید میں چند ہی مقامات پر آیا ہے لیکن نماز اور زکوٰۃ دو ایسی عبادتیں ہیں جن کا ذکر کہیں مجملاً اور کہیں تفصیل کے ساتھ اس کثرت سے آیا ہے کہ شاید ہی کوئی سورہ ان کے ذکر سے خالی ملے۔ جہاں اقیمو الصلوٰۃ کا ذکر ہے وہاں و التوا للزکوٰۃ کا جملہ بھی بالعموم موجود ہے۔ یہ التزام خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام کے نظام عبادت میں ان دو عبادتوں کو مرکزی اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دینِ قیم انہی دو بنیادی اجزائے عبادت سے مرکب ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا  
اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ  
خُنْفَاءً وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ  
وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ  
الْقِسْطِ ۝ (سینہ: ۵)

اور ان کو بجز اس کے اور کوئی حکم نہیں  
دیا گیا تھا کہ وہ دین کو اسی کے لئے  
خالص رکھتے ہوئے بالکل کیسہ ہو کر اس  
کی اطاعت و بندگی کریں، اور نماز قائم  
کریں اور زکوٰۃ دیں، یہی دینِ قیم ہے۔

احادیث نبوی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی نظر میں دین کے اس دوسرے رکن یعنی غربا و مساکین کی امداد و حاجت روائی کو خصوصی حیثیت حاصل ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ روزِ آخرت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرمائے گا:

”اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا تھا مگر تو نے میری عیادت نہ کی، بندہ  
عرض کرے گا: اے رب میں بھلا تیری عیادت کیوں نہ کرتا تو پروردگار عالم  
ہے۔ خدا فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے افلاں بندہ بیمار ہو گیا تھا  
اور تو نے اس کی عیادت نہ کی، اگر تو اس کی خبر گیری کو جانتا تو اس کو میرے  
پاس پاتا یا مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا  
تھا مگر تو نے نہیں کھلایا، بندہ عرض کرے گا: اے میرے رب میں تجھ کو کیونکر  
کھلاتا تو تو خود سارے جہاں کا پروردگار ہے۔ خدا فرمائے گا: کیا تجھے معلوم  
نہیں کہ میرے افلاں (بھوکے) بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے نہیں

کھلایا، اگر تو اس کو کھلاتا تو اے میرے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا مگر تو نے نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا: اے رب میں تجھے کیونکر پانی پلاتا تو تورب العالمین ہے۔ خدا فرمائے گا: میرے فلاں (پیسے) بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا مگر تو نے نہیں پلایا، اگر تو اے پلاتا تو اے میرے پاس پاتا، لے

یہ ایک عام انسانی فطرت ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں سہل انگاری سے کام لیتا ہے اور کمزوروں کے معاملہ میں تو اکثر چستیم پوشی ہی اختیار کر لیتا ہے۔ انسان کی اسی فطرت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے غراب و مساکین اور دیگر حاجت مندوں کے حق کو خود اپنا حق قرار دیا ہے: **والتوا حقتنا یوم حصادہ** (انعام - ۱۳۱) یہ کہ اس نے دراصل اپنے صاحب ثروت بندوں کو اس امر کی طرف متوجہ کیا ہے کہ وہ ناداروں کے حقوق کی ادائیگی سے کسی حال میں بھی اغماض نہ کریں کہ ان کی حق تلفی خدا کی حق تلفی کے مرادف ہے۔

ایک دوسری حدیث میں غریبوں اور یتیموں کی امداد و اعانت کو ایک مجاہد اور عابد شب زندہ دار کی سعی و عبادت کے ہم پلہ قرار دیا گیا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا:

الساعی علی الارملة و	مسکین اور یتیم کے لئے دو ڈھوپ
المسکین کالمجاہد	کرنے والے کا مرتبہ خدا کی راہ میں جہاد
فی سبیل اللہ وکالذی بصوم	کرنے والے کے برابر ہے۔ اور اس
النهار ویقوم اللیل لہ	شخص کے برابر ہے جو دن بھر روزہ اور

رات بھر نماز میں مشغول رہتا ہو۔

اسلام میں غراب و مساکین کی دست گیری کی اس غیر معمولی اہمیت و تفصیلت کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان بالخصوص مذہبی اور دین دار لوگ، اس کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ وہ نماز، شمول اوراد و وظائف، روزہ اور حج ہی کو اصل عبادات قرار دے کر انہی کی ادائیگی

۱۔ مسلم رواہ ابوہریرہؓ، مزید دیکھیں ادب المفرد امام بخاری (باب عیادۃ المصلیٰ)

میں اپنا وقت، مال اور محنت صرف کرتے ہیں۔ یہ کس قدر حیرت و استعجاب کی بات ہے کہ علماء اور مشائخ اپنی تحریروں اور تقریروں میں ادراد و وظائف، دعا اور نفل نمازوں کے برکات و فضائل تو ضرور بیان کرتے ہیں لیکن غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کی ادراد و اعانت کے ذکر سے اس طرح صرف نظر کرتے ہیں جیسے یہ دین کا کام ہی نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ ہلاکت زدہ بندگانِ خدا کی حالت زار کی طرف سے علماء اور عوام کی اکثریت کے اس شعوری یا غیر شعوری تغافل و سرد مہری کے وجوہ و اسباب کیا ہیں؟

میں سمجھتا ہوں کہ اس کی پہلی وجہ تصور عبادت کی خامی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نماز، روزہ اور ادراد و وظائف ہی اصل عبادت ہیں، اور خدا کی رضا اور قرب کے حصول کا سب سے اعلیٰ و ارفع اور معتبر ذریعہ بھی۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ کو جو عبادت کے ارکان اربعہ میں شامل ہے، ایک خالص مالی معاملہ سمجھتے ہیں۔ اس کو واقعی عبادت کا درجہ دینے کے لئے ان کا دل آمادہ نہیں ہوتا کیونکہ اس میں بظاہر کوئی کلمہ ذکر و عبادت شامل نہیں ہے، لیکن زبان سے وہ اس امر کا اظہار اس وجہ سے نہیں کرتے کہ خدا اور اس کے رسول نے اس خالص مالی معاملے کو بھی عبادت اربعہ کا ایک رکن قرار دیا ہے۔ اس تغافل کی تیسری وجہ حب مال ہے۔ انسان فطرًا مال کی محبت میں نہایت سخت، واقع ہوا ہے (اِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ۔ عادیات) اسی لئے وہ انفاقِ مال سے جی چراتا ہے اور اس سے بچنے کے لئے طرح طرح کی حیل جوئی سے کام لیتا ہے، بالخصوص ان جگہوں میں جہاں انفاقِ مال سے اسے کوئی مادی نفع یا حصولِ عز و جاہ کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ اس کی چوتھی وجہ یہ غلط فہمی ہے کہ انفاقِ مال صرف امر اور اربابِ دولت و ثروت کا حق ہے اس لئے لازماً بوغنی اور حسابِ ثروت نہیں ہے وہ اس مالی عبادت سے بری الذمہ ہے۔ اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔

## وجوب انفاق

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح نماز ایک عبادت ہے اور ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہے، ٹھیک اسی طرح انفاقِ مال بھی ایک عبادت ہے اور یہ بھی نماز ہی کی طرح ہر مسلمان پر

فرض ہے خواہ وہ امیر ہو اور خواہ متوسط الحال اور غریب، البتہ فرق صرف اس قدر ہے کہ امیر پر وہ بصورتِ زکوٰۃ فرض ہے اور معین مقدار مال کے ساتھ اس کی ادائیگی لازم ہے، اور متوسط الحال اور غریب پر وہ صدقہ کی صورت میں فرض ہے، اور اس کے لئے کسی مقدار مال کی تئیں نہیں کی گئی ہے بلکہ یہ ہر شخص کی حالت کسب اور مرضی پر موقوف ہے کہ وہ کیا اور کتنا خرچ کرے اگر کوئی غریب یا ادنیٰ دو چار نے بھی راہِ خدا میں خرچ کرتا ہے تو اس کا شمار صدقہ میں ہوگا، اور وہ خدا کی نظر میں زکوٰۃ ادا کرنے والے امیر ہی کی طرح اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

ہم نے ابھی اوپر کی سطروں میں انفاقِ مال کے وجوب اور نوعیت و وجوب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کے دلائل و شواہد قرآن مجید میں کثرت سے موجود ہیں۔ یہاں تفصیلی گفتگو کی گنجائش نہیں، صرف توضیحِ مدعا کے لئے میں سورہ بقرہ کی چند ابتدائی آیات نقل کرتا ہوں، ارشاد ہے:

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نازِ قائم کرتے	الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ
میں اور جو کچھ ہم نے ان کو ردی دی	وَالْيَقِينُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا
ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور	رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ
جو ایمان لاتے ہیں اس چیز پر جو تم پر	يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ وَمَا
نازل کی گئی ہے، اور اس پر سچی جو تم سے	أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ
پہلے نازل ہو چکی ہے، اور آخرت پر یقین	هُمْ يُوقِنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ
رکھتے ہیں یہی لوگ فلاح پانے والے	هُدًى مِّنْ رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ
ہیں۔	هُمُ الْمفلِحُونَ ۝

آیت 'وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ' میں اہل ایمان کی جس صفت انفاق کا ذکر کیا گیا ہے اگر اس کے مصداق مردِ صاحبِ ثروت مومنین ہیں تو پھر ماننا ہوگا کہ جو مومن مال و زر نہیں رکھتا وہ تو ہدایت یافتہ ہے اور نہ ہی روزِ آخرت فوز و فلاح سے سہکار ہوگا، کیوں کہ آیات مذکورہ میں صرف انہی مومنین کو ہدایت اور فلاح کا حامل قرار دیا گیا ہے

جو نماز پڑھتے ہیں اور اللہ کے بختے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور اگر آیت کا یہ مفہوم نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے، تو پھر تسلیم کرنا ہوگا کہ ”وہ ما رزقنا منہم یففقون“ کے مصداق تمام اہل ایمان ہیں، اور جب اس کے مصداق تمام اہل ایمان ٹھہرے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ انفاق مال خواہ وہ بصورت زکوٰۃ ہو اور خواہ بصورت صدقہ ہر مسلمان پر واجب ہے۔

روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ جب صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ صدقہ فرض ہے تو غریب و نادار صحابہ نے خدمت نبوی میں آکر عرض کیا کہ ”اے اللہ کے رسول جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ محنت مزدوری کر کے اپنے ہاتھ سے پیدا کرے، خود بھی فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی صدقہ دے“ انہوں نے عرض کیا ”جس میں اس کی بھی طاقت نہ ہو“ آپ نے فرمایا ”وہ کسی فریاد خواہ حاجت مند کی مدد کرے“ انہوں نے پھر عرض کیا ”اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو“ آپ نے فرمایا ”وہ کوئی نیکی کا کام کرے اور برائی سے بچے یہی اس کا صدقہ ہے۔“

اس ارشاد رسول کے مطابق غریب صحابہ بازاروں میں جا کر محنت مزدوری کرتے تھے اور اپنی گاڑھی کمائی میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے تھے۔

## راہبانہ تصور عبادت

تاریخ انسانی کے ہر دور میں ہر مذہب کے غالی اور متقشف لوگوں کا یہ خیال رہا ہے کہ آدمی خدا کی عبادت میں جس قدر ریاضات شاقہ اٹھاتا ہے اسی قدر اس کو خدا کی رضامندی اور اس کے قرب و اتصال کی دولت گراں بہا حاصل ہوتی ہے۔ اسی کے ساتھ ان کا یہ بھی خیال رہا ہے کہ خدا کی خالص اور سچی عبادت کے لئے ناگزیر ہے کہ آدمی انسانی معاشرہ سے قطع تعلق کر کے کسی جنگل یا پہاڑ کے کسی گنہام گوشے میں مقفل ہو جائے، اور اگر کسی سبب سے یہ ممکن نہ ہو تو انسانی آبادی سے ذرا پرے سے ہٹ کر کوئی خانہ عزت تلاش کر لے، اور



اگر یہ بھی ممکن الحصول نہ ہو تو آبادی کے اندر ہی کوئی خاموش گوشہ عافیت ڈھونڈ لکالے اور نہنگامہ ہائے دنیا سے بے نیاز ہو کر خدا کی عبادت و ریاضت میں اپنا وقت گزارے گا یا اللہ کے نزدیک خدا کے حق کی ادائیگی کے لئے ناگزیر ہے کہ عبادت گزار نہ صرف حقوق العباد سے منہ موڑ لے بلکہ امکانی حد تک خود اپنے نفس و جسم کے حقوق کو بھی پامال کر ڈالے۔

رامباز تصور عبادت کی یونانی بہت سی مثالیں انسان کی قدیم مذہبی تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں لیکن ہم یہاں بطور مثال صرف عیسائی راہبوں کے تصور عبادت ہی کو پیش کریں گے اور ضمناً مسلمانوں کے ایک طبقہ میں موجود رامباز تصور عبادت کے متعلق بھی عرض کریں گے۔ قطع علائق، تجرد اور تہذیب جسم، عیسائی رہبان کے تصور عبادت کے اجزائے ترکیبی تھے۔ وہ جنسی خواہش، اور ازدواجی تعلقات کو نہ صرف زہد و تعبد اور پاکیزہ روحانی زندگی کے منافی خیال کرتے تھے بلکہ سرے سے اسے ایک گندہ فعل تصور کرتے تھے۔ گوشت کھانا، کپڑے پہننا اور راتوں میں سونا اور آرام کرنا بھی خلاف تقویٰ تھا۔ صرف اتنا ہی نہیں وہ روحانیت کے مقام بلند تک پہنچنے کے لئے اپنے نفس و جسم کو طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا کرنا بھی ضروری سمجھتے تھے تاکہ خواہشات نفس سے یک قلم کو خلاصی مل جائے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم ان کو اس حد تک مغلوب کر دیا جائے کہ ان کا وجود بالکل غیر موثر بن کر رہ جائے۔ وہ قطع علائق کے باب میں بھی انتہا پسند واقع ہوئے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ روحانی ترقی، منبسط نفس اور قرب خداوندی کے حصول کے لئے بے حد ضروری ہے کہ خدا پرست نہ صرف اپنے ہم جنسوں سے تمام معاشرتی تعلقات منقطع کر لے بلکہ سب سے بچوں، ماں باپ، بھائی بہن اور دوستک افراد خاندان اور اقارب سے بھی کسی طرح کا کوئی رشتہ دیوند نہ رکھے۔ فردن وسطیٰ کی تاریخ قطع علائق، نفس کشی اور ایلام جسم کے دلزدہ واقعات سے بھری پڑی ہے۔

جہاں تک اسلامی تاریخ کا تعلق ہے تقریباً اس کے بھی ہر عہد میں مسلمانوں میں ایسے مذہبی لوگ موجود ملتے ہیں جو رامباز تصور عبادت سے ایک حد تک مانوس رہے ہیں۔ اگرچہ

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں تفہیم القرآن ج ۵، سورہ حدید حاشیہ نمبر ۵۴

وہ عیبائی راہوں کی طرح نہ تو تجرد کے قائل تھے اور نہ تربیت نفس کے لئے نفس کشی اور تہذیب جسم ہی پر عمل پیرا تھے پھر بھی ان کا عام طرز زندگی راہبانہ تھا اور وہ عام طور پر انسانی معاشرہ سے الگ تھلگ زندگی گزارتے تھے، اور ازدواجی تعلقات بھی بس برائے نام ہی رکھتے تھے۔

آج بھی مسلمانوں میں ایک ایسا مذہبی طبقہ موجود ہے جس کے تصور عبادت میں راہبانہ تصور عبادت کے کچھ نہ کچھ اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد علانیہ ترک دنیا کی تعلیم تو نہیں دیتے لیکن ان کے نزدیک بھی روحانی ترقی اور آخرت میں فوز و مرام کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ خدا پرست آدمی اسباب دنیا کی نفی کرے، اور اپنے اوتٹا کا بیشتر حصہ کسی گوشہ مسجد یا خانہ خلوت میں بیٹھ کر ذکر الہی، مراقبہ اور مجاہدہ میں گزارے، یہی معراج عبادت ہے، رہے انسان کی اجتماعی زندگی کے معاملات مثلاً سیاست و حکومت معیشت و معاشرت، تہذیب و تمدن اور علم و عدالت وغیرہ تو ان امور و مسائل سے ایک عبادت گزار مسلمان کو کوئی راست تعلق نہیں رکھنا چاہئے۔

## اسلام راہبانہ تصور عبادت کا مخالف ہے

اسلام عبادت کے اس راہبانہ تصور کو قطعاً صحیح تسلیم نہیں کرتا، کیونکہ اس کو صحیح تسلیم کر لینے کے معنی یہ ہیں کہ یہ کارخانہ خلق و ایجاد ایک کارِ عبث ہے، اور اس میں انسانی

سے سیاست کا نام آتے ہی عام طور پر مذہبی لوگوں کا ذہن اس گندی پارلیمانی سیاست کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو آج کل ہندوستان اور بہت سے مغربی ملکوں میں بطور ایک نظام حکومت کے رائج ہے۔ اسلام اس گندی، بے ضمیر اور مخرب اخلاق سیاست کا قائل نہیں ہے جس میں عوام کی حکومت کے نام پر عوام کا بدترین استحصال کیا جاتا ہے۔ اسلام میں سیاست نام ہے اس نظام حکومت کا جس میں کسی انسان یا انسانوں کی منتخب کردہ کسی مجلس (پارلیمنٹ) کے بجائے قادر مطلق خدا ہی اصل حاکم اور مقتدر اعلیٰ ہوتا ہے اور اسی کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق انسانوں کے انفرادی و اجتماعی معاملات انجام پاتے ہیں اور جو لوگ ان معاملات کو انجام دیتے ہیں وہ اس کے نائب یا قرآنی اصطلاح میں خلیفہ کہلاتے ہیں۔

وجود نلو کوئی مفنوت رکھتا ہے اور نہ اسے دوسری اشیلے کائنات کے بالمقابل کوئی نیا نیا اور مرکزی مقام ہی حاصل ہے۔ اور یہ بات کسی طرح بھی منی بر حقیقت نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کائنات، مادی کوئی بازیچہ اطفال نہیں ہے (وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِجِبِينِ ۝ انبیاء: ۱۶) بلکہ اس کی تخلیق کے سچھے ایک عظیم مقصد کا فروما ہے، اور وہ مقصد قرآن مجید کے الفاظ میں حق و باطل کی آدیش اور نتیجے کے طور پر حق کا غلبہ و سر بندی ہے (بَلْ لَقَدْ فِ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ قَيْدٌ مَّغْلُوبٌ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ) (انبیاء: ۱۸) اس کے علاوہ اس کا رخاء خلق و ایجاد میں انسانی وجود ایک نمایاں اور مرکزی مقام رکھتا ہے۔ انسان کی عظمت و نصیلت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ خدا نے اس کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا (هُوَ الَّذِي جَعَلَكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ... (فاطر - ۳۹) اور اس عالم آب و گل کی تام جھوٹی بڑی اشیا کو اس کے وجود کے قیام و نشوونما اور اس کی ان گنت مادی حاجات کی تکمیل کے لئے اس کے قبضہ و تصرف میں دے دیا ہے۔ (وَسَخَّرْنَا لَكَ رُحْمَ السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَسْبِعَ مِنْهَا دَرَجَاتٍ) (جاثیہ ۱۲)

اس مقام و مرتبے کے حامل انسان کا مقصد تخلیق یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ اس کائنات رنگ و بون سے اپنا ذہنی و علمی رشتہ منقطع کر کے کسی کچھ عزالت میں جا بیٹھے اور وہاں ذکر و عبادت الہی میں اپنی زندگی کے قیمتی اوقات گزار دے جیسا کہ ہم نے اوپر کی سطروں میں بیان کیا۔ اس کائنات مادی میں انسان کی حیثیت خدا کے خلیفہ کی ہے اور خلافت فی الارض کے منصب جلیلہ پر وہ اس لئے نامو کیا گیا ہے کہ خدا کی بخشی ہوئی عقل و بصیرت کی روشنی میں اس کی ارشی سلطنت میں اس کے حکم و ہدایت کے مطابق جہان بینی کے فرائض انجام دے، خود بھی اس کا مطیع و فرمانبردار بنے اور دوسرے انسانوں کو بھی اس کا مطیع و فرمانبردار بنائے۔ اسی بات کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ -  
میں نے جن اور انسانوں کو اس کے  
سوا کسی کام کے لئے نہیں پیدا کیا کہ وہ  
میری اطاعت و بندگی کریں۔ (ذاریات: ۵۶)

اس آیت میں عبادت کے مفہوم کو سمجھنے میں بہت سے اہل علم نے غلطیاں کی ہیں۔ ہم اس مضمون کے شروع میں لفظ عبادت کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے عرض کر چکے ہیں کہ عبادت کا اصل مفہوم خدا کی کامل اطاعت و بندگی ہے یعنی زندگی کے ہر شعبے میں خدا کے احکام کی پیروی کرنا، اور یہی تخلیق انسان کی اصل غایت ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسان اس دنیا میں اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ بغیر کسی خارجی یا داخلی جبر کے زندگی کے ہر معاملے میں خدا کی اطاعت و بندگی کرے۔ جبر کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ اس عالم رنگ دیو کی ہر جھولی بڑی چیز طوہاؤں اور خدائے بزرگ و برتر کی اطاعت کر رہی ہے (وَلَهُ اسَلَّمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَارْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّالِيَهُ يُوْبَعُونَ آل عمران ۸۳) لیکن انسان کو باس طور خدا کی بندگی و اطاعت کے لئے مجبور نہیں کیا گیا ہے۔ (لَا اِكْرَاهُ فِي الدِّيْنِ ... بقدرہ - ۲۵۶) اَفَاَنْتَ تَكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَسْرِعُوْا بِالْاِيْمَانِ وَاصْبِرُوْا لِحُكْمِ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تَكُوْنُوْنَ اٰمِنًا وَاٰتِيْنَ سَعٰدًا (سورہ بقرہ ۱۷۷) بلکہ اسے پوری پوری آزادی دی گئی ہے کہ وہ اپنی عقل و فہم کو استعمال کرتے ہوئے چاہے تو خدا کی اطاعت کرے اور چاہے تو اس کی نافرمانی و ناشکری کرے (اِنَّا هَدَيْنَاكَ السَّبِيْلَ اِمَّا شَكَرًا وَاِمَّا كَفُوْرًا) (سورہ بقرہ ۱۷۷) لیکن اس کا مقصد تخلیق بہر صورت خدا کی اطاعت و بندگی کرنا ہے۔ اگر وہ اپنی مرضی سے خدا کی اطاعت کرتا ہے تو وہ فی الواقع منشاء خداوندی کی تکمیل کرتا ہے، اور اس کا یہ فعل خدا کی نظر میں پسندیدہ اور اجر کا مستحق قرار پائے گا، اور اگر اعراض و استکبار کرتا ہے تو فی الحقیقت وہ منشاء خداوندی کے خلاف عمل کرتا ہے اور اس کا یہ فعل خدا کی نظر میں پسندیدہ اور مستوجب سزا قرار پائے گا۔

قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ انسان کے مقصد تخلیق کو ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔  
 الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ  
 لِيَبْلُوَكُمْ اَيْكُمْ اَحْسَنُ  
 عَمَلًا (ملک: ۲۰)  
 جس نے موت اور زندگی کو خلق کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

ظاہر ہے کہ عمل احسن یعنی خدا کی اطاعت و فرماں برداری کا صحیح امتحان اسی وقت ہو سکتا ہے جب انسان آزادانہ اس دنیا کے معاملات میں شریک ہو۔ اس سے قطع تعلق کر کے

کسی عمل احسن کی انجام دہی بے معنی ہے اور امتحان عمل کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام عبادت کا جو جامع تصور دیتا ہے اس میں دین اور دنیا کی کوئی تفریق نہیں ہے بلکہ معاملات دنیا میں حصہ لینا اس کے نزدیک عین عبادت ہے بشرطیکہ معاملات کی انجام دہی میں خدا کے کسی حکم و ہدایت کی بھی خلاف ورزی نہ کی جائے، قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَوَلَّوْا  
لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ  
فَانسَعُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ  
وَدَرُّوا يُبْسَ ۗ إِنَّكُمْ لَكُمْ خَيْرٌ  
لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۗ  
فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا  
فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا  
مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا  
اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ  
تُفْلِحُونَ ۝ (جمعہ ۱۰۹)

اے ایمان والو، جب جمعہ کے دن نماز کے لئے نکالو جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے اگر تم جانو پھر جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔

اس دنیا سے ایک مومن کے تعلق کی جو نوعیت ہونی چاہئے اس کو یہ آیات اچھی طرح واضح کرتی ہیں۔ میں دو اہم باتیں بیان کی گئی ہیں، پہلی بات یہ کہ جب اللہ کی اطاعت و بندگی کے اظہار کا بوقت مقررہ آجائے تو ایک مومن کی شان بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ فی الفور کاروبار دنیا سے علیحدہ ہو کر اس کی یاد اور بندگی کے اظہار کے لئے مسجد کی طرف دوڑ پڑے اور دوسری بات یہ کہ مسجد میں اظہار اطاعت و بندگی کے بعد جب وہ دوبارہ کاروبار دنیا یا دوسرے لفظوں میں تلاش رزق میں لگ جائے تو وہاں بھی خدا کی یاد سے کسی حال میں بھی غافل نہ ہو یعنی کسب معاش میں کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو خدا کی مرضی اور اس کے حکم و ہدایت کے خلاف ہو۔ اگر اس نے ایسا کیا تو روزی

کمانے کا اس کا عمل بھی عبادت بلکہ بہترین عبادت شمار ہوگا۔

اس کے علاوہ آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ آیات مذکورہ میں روزی کمانے کو فضل خدا کی تلاش سے تعبیر کیا گیا ہے یہ لطیف پیرایہ بیان خود صراحت کر رہا ہے کہ روزی کمانا خدا کی نظر میں ایک نہایت ہی پسندیدہ فعل ہے، اور وہ اپنے بندوں سے اسی بات کا خواہاں ہے کہ وہ روزی کمانے کے لئے زمین میں تگ و دو کریں (فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ) اسے محض دنیا کا کام یا اس کی عبادت میں کوئی امر مانع سمجھ کر اس سے دست بردار نہ ہو جائیں یہ کام عبادت میں خلل انداز نہیں، بلکہ اس کے حکم و ہدایت کے مطابق اس کے لئے سوق ریزی کرنا عین عبادت ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ کسب معاش کا ذکر جہاد فی سبیل اللہ کے ذکر کے ساتھ آیا ہے، ارشاد ہے:-

کچھ دوسری لوگ اللہ کے فضل	وَآخِرُونَ يُصِرُّونَ فِي الْأَرْضِ
(روزی) کی تلاش میں سفر کرتے ہیں	يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ۗ
اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں قتال کرتے	وَآخِرُونَ يُفَاتِنُونَ فِي سَبِيلِ
ہیں۔	اللَّهِ (نزل : ۲۰)

اس آیت کی بہترین تفسیر حضرت عمر فاروقؓ کا یہ قول ہے:

”خدا کی راہ میں لڑتے ہوئے جان دینے کی خواہش کے بعد جس دوسری چیز کی میں تمنا رکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ حصول رزق اور کثادگی کی تلاش میں میری موت واقع ہو“

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی اطاعت و بندگی کا اصل امتحان کسی گوشہ مسجد یا خانہ خلوت میں نہیں، بلکہ کاروبار دنیا میں ہوتا ہے جہاں ہر قدم پر شیطانی وساوس اور نفس کی فتنہ انگیز لوٹ سے واسطہ پڑتا ہے۔ مشہور تالیبی امام ابراہیم نخعی سے کسی نے پوچھا کہ آپ ایک عبادت گزار صوفی اور امانت دار تاجر میں کس کو ترجیح دیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ امانت دار تاجر میرے نزدیک افضل

ہے اس لئے کہ شیطان اسے بہر سورت درغلا تلبہ، کبھی ناپ تول اور کبھی لین دین میں لے  
 الجھانے اور غلط راہ پر لے جانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اسے پیہم شکست دیتا رہتا ہے  
 اگر وہ ماخلفت الجن والانس الا لیعبدین“ کا مفہوم آنحضرتؐ اور آپ  
 کے اصحاب نے وہی سمجھا تھا جسے ہمارے رہبان صفت صوفیہ کرام اور اجبار صفت علماء  
 عظام اور ”امانی“ میں گرفتار مذہبی جہلا سمجھتے ہیں تو پھر بدر و احد اور حنین وغیرہ میں مسرکہ  
 آرائی اور در خلافت میں قیصر و کسریٰ کی باجبروت سلطنتوں سے محاربہ و مقاتلہ کی مطلق ضرورت  
 یعنی رسولؐ اور اصحاب رسولؐ کو باطمینان خاطر اپنے گھر دن اور مسجدوں میں ذکر و عبادت  
 الہی میں شہک رہنا چاہئے تھا یقین کیجئے کہ اس صورت میں عرب کے کفار و مشرکین اہل ایمان  
 کے خلاف ہرگز صرف آرائی نہ کرتے اور نہ ہی آغاز اسلام میں ان کو اپنے وحشیانہ ظلم و ستم کا  
 تحشہ مشق بناتے، کیونکہ وہ پہلے ہی سے دوسرے ادیان کے اجبار و رہبان کی صورتوں میں  
 اس قسم کے عبادت گزاروں سے واقف تھے۔

فی الواقع آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب عظام عبادت کے اس راہبانہ مفہوم سے قطعی  
 ناواقف تھے۔ انہوں نے خدا کی عبادت کے لئے خواب گاہوں سے اپنے پہلو بھی جدا کئے  
 وَتَجَاوَزُوا عَنْ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَكُفْرًا... (سجده - ۱۷)  
 اور حکم خدا جاہدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَالْفُسُكُمُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ... (توبہ - ۳۱)  
 ”اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرو“ کے مطابق اس کی راہ میں کشاں کشاں اپنی  
 جان و مال سے جہاد بھی کیا۔ فی الواقع وہ ہر دور کے بڑے بڑے عابدوں اور زایدوں سے  
 بڑھ کر عابد و زاید اور ہر عہد کے بڑے بڑے جاں فداؤں سے بڑھ کر جاں فداؤں اور سہرا  
 تھے اور کیوں نہ ہوتے کہ اللہ کو ایسے ہی جواں مرد محبوب ہیں:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الذِّئْبَ  
 يَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا  
 كَأَنَّهُمْ بَنِيَانٌ مَّوَدُّوْنَ -  
 اللہ ایسے لوگوں کو محبوب رکھتا ہے  
 جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر جنگ  
 کرتے ہیں گویا کہ وہ ایک سید پلائی ہوئی

(صفہ: ۴)

حقیقت یہ ہے کہ اسلام راہباز تصور عبادت کا صرف مخالف ہی نہیں بلکہ اس کے وجود کا بھی منکر ہے۔ اس مہمانیت فی الاسلام (مناجم) "اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں" اگر کسی کو لفظ رہبانیت ہی سے کوئی انس و شینگی ہو تو وہ جان لے کہ اسلام کی افہام میں اس کا مفہوم ترک دنیا نہیں بلکہ جہاد فی سبیل اللہ ہے آنحضورؐ کا ارشاد ہے :

رہبانیت ہذا الامت  
الجهاد فی سبیل اللہ  
اس امت کی رہبانیت اللہ کی راہ میں  
جہاد کرنا ہے۔

اسلام زندگی کے صرف اجتماعی معاملات ہی میں راہباز تصور عبادت کا مخالف نہیں ہے بلکہ وہ انفرادی معاملات میں بھی اس کے ادنیٰ اثر و نفوذ کو گوارا نہیں کرتا۔ دور رسالت میں جب بعض صحابہ نے اپنے میلان طبعی اور جوش عبادت کی وجہ سے رضائے الہی کی طلب میں بجزرہ قطع حدائق اور ریاضات شاقہ کی راہ میں کام فرمایا تو آنحضورؐ نے اس راہباز تصور عبادت کی سختی کے ساتھ نفی فرمائی ایک صحابی قدام بن معلق نے آنحضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے عمر بھر بجزرہ میں اور گشت نہ کھانے کا ارادہ کر لیا ہے آپ نے فرمایا "میں تو یہ دونوں باتیں کرتا ہوں" میں کروہ اپنے خیال سے تاب ہو گئے بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک بار عید کر لیا تھا کہ وہ ہمیشہ دن میں ریزے رکھیں گے اور رات بھر عبادت کریں گے جب آنحضورؐ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ان کو بلا کر فرمایا "عبداللہ! تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے، تمہاری آنکھ کا بھی حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی حق ہے، تمہارے لئے مہینے میں تین دن روزے رکھ لینا کافی ہے"۔

حضرت عثمان بن معلقؓ ایک عابد و زاہد صحابی تھے اور نہایت ہی منقشہ فاضل زندگی بسر کرتے تھے۔ آنحضورؐ کو ان کے متعلق یہ خبر پہنچی کہ وہ شب در روز کو عبادت کے میں مشغول رہتے ہیں، اور اپنی بیوی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، دن کو روزے رکھتے ہیں اور شب میں کھانا کم سوتے ہیں۔ آپ نے ان کو بلا کر پوچھا "عثمان! کیا تم میرے طریقہ سے سہٹ گئے ہو؟



انہوں نے عرض کیا "خدا کی قسم میں ہرگز آپ کے طریقہ سے منحرف نہیں ہوا ہوں، میں تو آپ ہی کے طریقہ پر چلنا چاہتا ہوں" آپ نے فرمایا "عثمان، خدا سے ڈرو کہ تمہارے اہل و عیال کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے، اس لئے تم روزے بھی رکھو، افطار بھی کرو، نماز بھی پڑھو اور سو بھی پڑھو"

بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہے کہ ایک بار صحابہ کی ایک جماعت ازواج مطہرات کی خدمت میں پہنچی اور آنحضرت کی عبادت کا حال معلوم کیا جب ان کو آپ کی عبادت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہم کہہ آئے آنحضرت سے کیا نسبت، آپ تو معصوم ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب نے کہا کہ میں ساری رات نماز پڑھوں گا دوسرے نے کہا میں عمر بھر روزے رکھوں گا اور کبھی ناغہ نہ کروں گا، تیسرے صاحب نے کہا میں کبھی شادی نہ کروں گا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ گفتگو سن رہے تھے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور اس سے تقویٰ کرتا ہوں تاہم میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور تو ابھی بڑا اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ تو میرے طریقہ سے مٹ گیا وہ میری جماعت میں نہیں۔	اِما وَاللّٰهُ اِنِّي لَا خَشْيَةَ لِمِ لِلّٰهِ وَاَتَّقِيكُمْ لِهٰذَا اصوم وَاَنْظُرُوا صَلٰى وَاَقْدُوا تَزْوِجِ الذَّكَرِ فَمَنْ رَعِبَ عَنِ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ
---	--

مہانیت کے خلاف آنحضرت کی ان موثر تعلیمات کے نتیجے میں اسلام کے ابتدائی دور میں شجر مہانیت کو کچھ زیادہ برگ و بار لانے کا موقع نہیں مل سکا۔ دور نبوی میں جب بھی کسی صحابی کے اندر اس قسم کا میلان پیدا ہوا تو خود صحابہ نے ان کو سختی کے ساتھ ٹوکا حضرت ابوذر غفاری ایک مشہور عابد شب زندہ دار صحابی گزرے ہیں۔ ایک بار حضرت سلمان فارسی ان سے ملنے کے لئے ان کے گھر گئے، ان کی زوجہ نہایت بوسیدہ اور میلے کپڑے پہنے ہوئے تھیں حضرت سلمان نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو وہ بولیں "تمہارے بھائی کو دنیا

کی خواہش نہیں ہے، جب وہ حضرت سلمان کے لئے کھانا لائیں تو انہوں نے حضرت ابو ذر کو شریک طعام ہونے کے لئے کہا۔ انہوں نے کہا میں تو روزے سے ہوں۔ حضرت سلمان نے کہا، میں تو تمہارے بغیر نہیں کھاؤں گا، آخر انہوں نے انظار کیا۔ رات ہوئی تو ابو ذر نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے، حضرت سلمان نے کہا ابھی سو رہو، وہ مان گئے رات کے پھلے پہ حضرت سلمان نے ان کو بیدار کیا اور کہا اب نماز پڑھو، دونوں نے مل کر نماز ادا کی۔ اس کے بعد حضرت سلمان نے کہا ابو ذر، تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تو جس جس کا تم پر حق ہے اس کو ادا کرو۔ دوسرے دن حضرت ابو ذر غفاری نے آنحضرتؐ سے حضرت سلمان کی باتیں دہرائیں تو آپ نے فرمایا کہ سلمان نے سچ کہا، صلہ

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں عبادت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آدمی اس کثرت سے ذکر و عبادت میں مشغول ہو جائے کہ دوسروں کے حقوق کو نظر انداز کر دے۔ دین اسلام میں بندوں اور خود اپنے نفس و جسم کے حقوق کو پس پشت ڈال دینے کا نام عبادت نہیں ہے بلکہ خدا کے حق کے ساتھ انہی حقوق کو جن سے بڑی حد تک انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی عبارت ہے، صحیح طور سے ادا کرنے کا نام عبادت ہے اور یہی خدا کی سچی اطاعت و فرماں برداری ہے۔

یہ ہے اسلام کا وہ وسیع تصور عبادت جسے ہم نے تفصیل کے ساتھ آپس کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ تصور عبادت نہ صرف روح کی صفائی اور ترقی کے اعمال کے لئے ناگزیر ہے بلکہ امت مسلمہ کی اجتماعی زندگی کی اصلاح و تہذیب بھی اسی پر منحصر ہے۔

صلہ صحیح بخاری، کتاب الادب

### اپنے معاونین سے

ادارہ کا آڈنٹ IDARA-E-TAHQEEQ-O-TASNEEF-E-ISLAMI, ALIGARH کے نام سے ہے۔ براہ کرم اپنا چیک یا ڈرافٹ اسی نام سے بھیجیں۔ اس میں کسی لفظ کی کمی بیشی سے رحمت ہوتی ہے۔ امید ہے آپ کا تعاون ہمیں مستعمل حاصل رہے گا۔ (میلنج)